مولانا عبدالقیوم حقانی

عورت کی امارت کا مسئلہ

اپنے ایک بزرگ سے بچپن میں ایک جملہ سنا تھا الفاظ تو یاد رہ گئے تھے مگر اس کا صحیح مصداق اور مؤثر تعبیر سمجھ میں نہیں آ رہی تھی یا وہ ایک واقعاتی حقیقت بن کر مشاہدہ میں نہیں آیا تھا۔ وہ فرماتے تھے کہ

"ہمارے دینی حلقوں کو یہ بات خصوصیت سے نوٹ کر لینی چاہیئے کہ جب سیاسی مصلحتوں کے تحت خاموشیاں اختیار کر لی جاتی ہیں تو بعض اوقات وہ ایسے حالات پیدا کر دیتی ہیں کہ زبانیں ہمیشہ کے لیے گنگ ہو جاتی ہیں مگر خدا تعالیٰ اپنی شریعت کے بارے میں بڑا غیور ہے۔"

مسلمانوں پر عورت کی حکمرانی دین کے قطعی اور مسلمہ اصولوں قرآن وسنت کی تعلیمات اور نبوی ہدایات کی روشنی میں قطعاً ناجائز ہے۔ مگر گذشتہ کئی سالوں سے سیاست کے جنون میں مذہبی اقدار اور مذہبی تعلیمات کو ہی بازیچۂ اطفال بنا دیا گیا ہے اور اب تو اہل دین کی اکثریت بھی سیاسی مصالح ہی کے تحت اس قطعی منکر سے اغماض کی پالیسی اختیار کرتی چلی جا رہی ہے۔ مگر یاد رہے کہ جس طرح بے دین سیاست دانوں مفاد پرست حکمرانوں کے تمام ناجائز وطیرے اور ظالمانہ ہتھکنڈے خدا کے نزدیک جرم قرار پائیں گے اسی طرح اہل دین کی سیاسی مصلحت آمیز خاموشی اور مفاد پرستانہ سکوت و اغماض بھی اللہ کے ہاں جرم ٹھہرے گا۔

مذہبی بے ضمیری کا یہ عالم ہے کہ جو لوگ کل تک گلی گلی میں لوگوں کو پیغمبرؐ کا یہ قول سناتے پھر رہے تھے کہ عورت کی حکومت میں جینے سے زیر زمین دفن ہو جانا بہتر ہے وہی محترمہ بے نظیر کا جھنڈا اٹھائے اور ان کا نعرہ لگاتے پھرتے نظر آ رہے ہیں اور بے شرمی کا یہ عالم ہے کہ اسی کو اقامت دین، اسی کو انقلاب مصطفیٰؐ اور اسی کو اسلامی سیاست کا جہاد قرار دے رہے ہیں۔

قرآن وسنت کی تعلیم یہ ہے کہ اگر مسلمانوں کے سامنے سیاسی امامت وامارت اور سیاسی قیادت کے لیے انتخاب کا سوال آئے تو وہ بحالتِ مجبوری بھی ایک فاسق مسلمان مرد کا انتخاب تو کر سکتے ہیں لیکن ایک عورت کا انتخاب نہیں کر سکتے، اگرچہ زاہدہ، عابدہ اور عالمہ ہی کیوں نہ ہو۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اگر تمہارے اوپر ایک نکٹا حبشی بھی امیر بن جائے تو اس کی اطاعت کرنا مگر یہ نہیں فرمایا کہ اگر ایک عورت بھی تمہاری امیر بن جائے اس کی اطاعت کرنا۔

ملک میں اسلام کا حلیہ بگاڑنے والوں کا ایک گروہ تو جدید تعلیم کی بدولت بہت پہلے پیدا ہو چکا ہے اور اس کی کوششوں سے مذہب کے خلاف آئے دن نت نئے فتنے اٹھتے ہی رہتے تھے مگر جب سے دین سے منسوب ہمارے بعض سیاست بازوں نے اس میدان میں قدم رکھا ہے تو انہوں نے تحریف مذہب کے لیے ایسے ایسے کارنامے سرانجام دینا شروع کر دیئے ہیں کہ دوسرے تمام شاطروں کو انہوں نے مات دے دی ہے۔ مغرب زدہ طبقہ جو تحریف کرتا ہے وہ ہے تو دین اسلام کے خلاف سازش ہی سازش مگر ایک پہلو اس کا غنیمت ہے کہ اس سے تحریف کے لیے کسی مستقل فتنے کی بنیاد نہیں پڑتی مگر ان لوگوں نے تحریف کا جو طریقہ اختیار کیا ہے وہ یہ ہے کہ یہ لوگ تحریف بھی کرتے ہیں اور تحریف کے ساتھ ساتھ اس کے مستقل اصول بھی وضع کر دیتے ہیں تاکہ اس سے برابر انڈے بچے پیدا ہوتے رہیں۔ ان لوگوں کے سیاسی اغراض میں جب قرآن وسنت کے قطعی نصوص مزاحم ہو رہے ہیں تو اس کے لیے انہوں نے جھٹ سے ایک اصول گھڑ لیا کہ۔

"دین میں جو چیزیں حرام قرار دی گئی ہیں وہ تو دو قسم کی ہیں ایک تو وہ ہیں جن کی حرمت ابدی اور قطعی ہے ان کی حرمت کسی حالت میں بھی حلت سے نہیں بدلی جا سکتی دوسری وہ ہیں جن کی حرمت شدید ضرورت کی حالت میں حلت سے تبدیل ہو جایا کرتی ہے اس اصول کے تحت اُن کے نزدیک یہ بات بالکل جائز ہے کہ جب ان کو شدید ضرورت پیش آجائے وہ دین کی حرام کی ہوئی چیزوں میں سے (جن کی حرمت وہ خود تسلیم اور اس سلسلے کے قطعی نصوص کا اقرار بھی کرتے ہیں) کسی چیز کو جائز قرار دے لیا کریں۔"

یہ اصول ان لوگوں کو پاکستان کی وزیر اعظم بے نظیر بھٹو، بنگلہ دیش کی وزیر اعظم خالدہ ضیاء اور ترکی کی وزیر اعظم کی سربراہی اور سیاسی قیادت کے جواز کے لیے گھڑنا پڑا۔

قرآن وسنت نے حرمتوں کے درمیان نہ تو ابدی اور غیر ابدی، قطعی اور غیر قطعی کے قسم کی کوئی تفریق کی ہے نہ "شدید ضرورت" کے تحت کسی حرمت کے حلت میں تبدیل ہو جانے کا فتویٰ دیا ہے یہ دونوں باتیں ان حضرات کے ذہن کی اپنی ایجاد ہیں اور مقصود ان کی ایجاد سے شریعت کی ان پابندیوں سے پیچھا چھڑانا ہے جو قرآن وسنت کی واضح نصوص اور قطعی ہدایات ہیں مگر سیاسی حوصلوں اور سیاسی مقاصد کے حصول کی جدوجہد کے ساتھ اب عملاً ان کو نباہنا ان کے لیے ممکن نہیں رہا ــــ قرآن وسنت میں تو واضح کر دیا گیا ہے کہ ہر حرام سے بچو، البتہ اگر در اکراہ یا اضطرار کی حالت پیش آجائے تو اس صورت میں آدمی کو اس بات کی رخصت ہے کہ وہ کسی حرام سے فائدہ اٹھائے بشرطیکہ نہ تو اس حرام کا خواہشمند ہو اور نہ اس حد سے آگے بڑھے جو رفع ضرورت کے لیے ناگزیر ہے۔

دینی علوم جاننے والے ادنیٰ طالب علم بھی اس بات کو جانتے ہیں کہ اکراہ یا اضطرار کے کے معنی "شدید ضرورت" کے نہیں ہیں شدید ضرورت تو آدمی کو سردیوں میں گرم چادر کی، گرمیوں میں برف کی، غریب کو روپے کی اور خوشحال کو کوٹھی

اور کار کی پیش آتی رہتی ہے مگر یہ ضرورتیں اس اضطرار میں داخل نہیں ہیں جس میں شریعت نے کسی حرام سے فائدہ اٹھا لینے کی اجازت دی ہے۔ اکراہ یا اضطرار کا مفہوم یہ ہے کہ آدمی کو بے بسی کی ایسی حالت پیش آجائے کہ دو حرام چیزوں میں سے کسی ایک کو اختیار کرنے کے سوا کوئی اور مفر باقی ہی نہ رہ جائے اس صورت میں شریعت بلاشبہ اس بات کی رخصت دیتی ہے کہ آدمی دونوں حراموں میں سے اس حرام سے فائدہ اٹھائے جو نسبتاً اور مقابلۃً اھون ہے مگر حرام اور حرام کے درمیان یہ امتیاز ابدی اور غیر ابدی یا قطعی اور غیر قطعی کی تقسیم کی بنا پر نہیں ہے اگر ان کے زعم باطل کے مطابق شریعت کی کوئی حرمت در شدید ضرورت" کی حالت میں "حلت" میں تبدیل ہو جاتی ہے تو پھر قرآن کو غیر باغ ولا عاد کی شرط لگانے کی کیا ضرورت تھی؛ حرمت حلت میں تبدیل نہیں ہو جاتی وہ بدستور باقی رہتی ہے البتہ بقدر سدِ رمق اس سے جان بچا لینے کی رخصت حاصل ہو جاتی ہے یہ رخصت بہرحال رخصت ہے عزیمت نہیں ہے اس وجہ سے اگر کوئی شخص اضطرار میں کسی حرام سے فائدہ اٹھانا چاہتا ہے تو فائدہ اٹھائے لیکن اس کو بہرحال یہ حق نہیں حاصل ہو جاتا کہ وہ اس حرام کو حلال قرار دے کر ساری دنیا کو دعوت دینا شروع کر دے کہ آؤ لوگو! ایسی اضطرار پیش آگیا ہے لہٰذا اب حرام حلال ہو گیا ہے اس کا تعاون کرو اس کو برقرار رکھو اس سے فائدہ اٹھاؤ اور اضطرار بھی کوئی ایسی حالت نہیں ہے جو خود اپنے ہاتھوں سے اپنے اوپر مسلط کر دی جائے۔

اضطرار اور اکراہ کو "شرعی ضرورت" سے تعبیر کرنا محض تعبیر کی عامیانہ اور جاہلانہ غلطی نہیں ہے بلکہ اسلامی شریعت کے خلاف یہ دیدہ دانستہ ایک ایسی شرارت ہے اگر اس کو تسلیم کر لیا جائے تو یہ فتنہ بن کر پورے شرعی نظام کی بیخ کنی کر سکتی ہے آج ہمارے ملک میں جتنے بھی کام خلاف شریعت ہو رہے ہیں ان سب کے جواز کی دلیل اس فرسودہ اصول سے فراہم ہو سکتی ہے، آئندہ جس حرمت کا بھی دروازہ کھولنا ہو اس کے لیے یہ کنجی بے خطا ثابت ہو گی۔

ہم یہاں تھوڑی دیر کے لیے اس واضح ترین فرق کو بھی نظر انداز کر دیتے ہیں جو "شدید ضرورت" اور "اکراہ و اضطرار" کے درمیان ہے ہم یہ بھی فرض کر لیتے ہیں کہ ان حضرات نے شدید ضرورت سے اکراہ و اضطرار ہی کو مراد لیا ہے یہ فرض کر کے ہم ان سے پوچھتے ہیں کہ جناب! موجودہ حالات میں آخر وہ کیا اضطرار لاحق ہوا کہ شریعت کی ایک قطعی حرمت کو حلت میں تبدیل کرنا پڑا اگر آپ کی شدید سیاسی ضرورت بھی تھی تو حرمت کو حرمت رہنے دیتے منکر کو منکر قرار دیتے مگر حرمت کو حلت سے تبدیل کرنے کا حق آپ کو کس نے دیا ہے، اگر پیپلز پارٹی ایک عورت کی صدارت امارت اور قیادت کا فیصلہ کر لیتی ہے تو کیا ان کا یہ فعل کوئی شرعی حجت بن سکتا ہے پھر آپ کو کیا ہوا جناب! کہ عورت کی حکمرانی اور قیادت کی حرمت کو حلت میں تبدیل کرنا پڑا ـــــ اگر یہ اضطرار ہے تو یہ ماننا پڑے گا کہ مروجہ سیاست میں حصہ اور اس کے شرعی ممنوعات سے استفادہ بھی آپ کے نزدیک ایک ایسے وجوب شرعی کی حیثیت رکھتا ہے جس سے محروم ہونے کے مقابل میں شریعت کے ایک قطعی حرام کو حلت میں تبدیل کر دینا اھون ہے۔

کیا خاتون کی حکمرانی کے جواز کے قائلین کا موقف یہی ہے ؟ اگر یہ موقف نہیں ہے اور ایک مسلمان کا یہ موقف نہیں ہونا چاہیئے تو پھر از روئے شرع یہ وہ اضطرار نہیں ہوا جو کسی حرام کو آپ کے لیے جائز قرار دے دے ۔

ایک اضطرار یہ بھی ہو سکتا ہے کہ پی پی پی سمیت ملک کی سیاسی جماعتوں کے اندر سرے سے کوئی مرد ہے ہی نہیں اس وجہ سے عورت کے انتخاب اور اس کی سیاسی قیادت پر مجبور ہونا پڑا ہو، تو اس اضطرار کے تحت جس کے تحت بے نظیر صاحبہ کو گوارا کر لیا، پی پی پی ہی کے کسی مرد فاروق لغاری سے لے کر آصف زرداری تک کو گوارا کر لیتے آخروہ گنہگار ہی ہیں کافر تو نہیں ہیں ؟

اگر کسی کو ایسی مجبوری پیش آجائے کہ اس کے سوا چارہ نہ ہو کہ ایک عالمہ، عابدہ و زاہدہ عورت کی اقتداء میں نماز ادا کرے یا ایک گنہگار مسلمان مرد کی تو آخروہ کیا کرے گا؟ عابدہ ،زاہدہ عورت کو امام بنائے گا یا گنہگار مرد کو؟ اسلامی شریعت کی رو سے بے نظیر بھٹو تو درکنار حضرت رابعہ بصریہؒ کے پیچھے بھی ایک مرد کی نماز نہیں ہو سکتی ۔ لیکن ایک فاسق مسلمان مرد کے پیچھے ہو سکتی ہے ۔ یہی صورت حال بلا اختلاف سیاسی امامت کی اسلام میں ہے کہ ایک فاسق مسلمان تو مسلمانوں کا امیر، صدر، وزیر اعظم اور سیاسی قائد ہو سکتا ہے لیکن ایک عورت ان کی امیر نہیں ہو سکتی ۔ اگرچہ وہ کتنی ہی عابدہ و زاہدہ ہو ۔

اس وقت ہمیں مسئلے کے سیاسی پہلو سے بحث نہیں کرنی ہے، اس وقت ہم صرف اس کے اسلامی پہلو سے بات کرنا چاہتے ہیں کہ آخر بے نظیر کی امامت، بے نظیر کی وزارتِ عظمیٰ و حکومت اور بے نظیر کی سیاسی قیادت اور دینی قوتوں کے سکوت یا حمایت میں اسلام کی بہبود کا پہلو کیا ہے ؟

بعض حضرات یہ دعویٰ بھی کرتے ہیں کہ بعض علماء نے یہ فتویٰ دیا ہے کہ اگر اسلام کی مصلحت ہو تو عورت کو حکمران بنایا جا سکتا ہے ؟ چلیے ہمیں تسلیم کہ بنایا جا سکتا ہے لیکن وہ اسلامی مصلحت کیا ہے جس کے لیے بے نظیر صاحبہ کا انتخاب کیا گیا ہے ـــــ ہم بے نظیر صاحبہ کے ذاتی دین و ایمان، عقائد، مذہب، تقویٰ و تدین اور ظواہر شریعت کے احترام سے کوئی بحث نہیں کرتے اس لیے کہ ان چیزوں کو اندھے بھی دیکھ سکتے ہیں ۔ ہم صرف یہ پوچھتے ہیں کہ اس نے اپنے دور اقتدار، بلکہ اپنی ساری زندگی میں کوئی ایسا کام کیا ہے جو اس بات پر دلالت کرے کہ وہ واقعۃً اسلام کی خدمت کے جذبہ سے کیا گیا ہے اس معاملے میں ان کی وضعداری کا تو یہ عالم ہے کہ الیکشن کے زمانے میں بھی جس میں رندان قدح خوار زاہدانِ شب زندہ دار بن جاتے ہیں کبھی یہ غلطی نہیں کی کہ بھول کر بھی اسلام کا نام لے لے ، البتہ اس سے قبل ڈنکے کی چوٹ علی الاعلان قرآن وسنت کے حدود و قصاص اور اسلامی تعزیرات کو ظالمانہ اور وحشیانہ قوانین قرار دیتی رہی ہیں ۔

اس کی شکایت ہم سے زیادہ خود انہی حضرات کو پہلے بھی تھی اور دبی زبان سے اب بھی ہے جو خاتون کی

حکمرانی کے مسئلہ پر سکوت اختیار کر چکے ہیں یا پھر حمایت کا ہاتھ بڑھا کر اسے مسند اقتدار پر لانے کا کردار ادا کر چکے ہیں اور اب اس کے استحکام کا فریضہ انجام دے رہے ہیں ــــ اخبارات میں بعض تحریری اور بعض مذہبی سیاسی زعماء کے ایسے بیانات بھی آ رہے ہیں اور بے نظیر کی وفاداری کا جوش اس زور سے ابھرا ہے کہ اس ملک میں اسلام کا قیام تنہا اب ان ہی کے دم سے وابستہ ہو کر رہ گیا ہے ۔

فانا للہ وانا الیہ راجعون

یہ حضرات اضطرار و اکراہ کے علاوہ ایک دلیل یہ بھی پیش کرتے ہیں کہ ملکہ سباؔ جب حضرت سلیمان علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام لائیں تو اس وقت حضرت سلیمان علیہ السلام پر یہ وحی نہیں اتری کہ عورت کا بادشاہ بنا ٹھیک نہیں ہے ۔

اوّل تو ان بو الفضولوں سے کوئی یہ پوچھے کہ جب عورت کی بادشاہت پر یہ سبائی حجت تمہارے پاس موجود تھی تو پھر اضطرار کی آڑ میں پناہ لینے کی ضرورت کیا تھی ؛ پھر تو خم ٹھونک کر یوں کہنا تھا کہ جس طرح سبا والوں نے ملکہ بلقیس کو اپنی ملکہ بنایا تھا اسی طرح ہم محترمہ بے نظیر کو اپنی ملکہ بنا رہے ہیں ۔

دوسری یہ کہ یہ لوگ حضرت سلیمان علیہ السلام کی شریعت کے پیرو ہیں یا حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کے ؟ ہم نے مانا کہ حضرت سلیمان ؑ پر ملکہ سبا کی بادشاہت کے بارے میں کوئی وحی نہیں آئی لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر تو عورت کی امارت کی حرمت آئی اور اس حرمت کے سب سے زوردار بیان کرنے والے بھی تھے تو حضرت سلیمان ؑ کی شریعت حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کی ناسخ ہے یا حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت حضرت سلیمان علیہ السلام کی شریعت کی ؟

تیسری یہ کہ حضرت سلیمان ؑ پر عورت کو بادشاہ بنانے کی حرمت کی وحی تو تب آتی کہ انہیں اسرائیلی شریعت یہ حکم معلوم نہ ہوتا کہ عورت حکمران نہیں ہوتی اور وہ ملکہ سباؔ کو کہیں کا بادشاہ بنانے کا ارادہ کرتے ۔ قرآن سے جو کچھ معلوم ہوتا ہے وہ تو یہ ہے کہ حضرت سلیمان ؑ نے ملکہ سباؔ کا تخت و تاج سب اپنے دربار میں منگوا لیا اور خود ان کو بھی اپنے دربار میں فرمانبردارانہ حاضر ہونے کا حکم دیا اور انہوں نے ان کے حکم کی تعمیل بھی کی اس کے بعد کیا ہوا ؟ قرآن اس بارے میں خاموش ہے ۔

چوتھی یہ کہ اگر ملکہ سباؔ کی بادشاہت محترمہ بے نظیر کی وزارت عظمٰی کے لیے دلیل بن سکتی ہے تو کیا حضرت سلیمان ؑ کی بادشاہت پاکستان میں مونث مغربی جمہوریت کے بجائے بادشاہت کے لیے دلیل نہیں بن سکتی ؟ کیا حضرت سلیمان علیہ السلام نے اپنے ملک میں کوئی جمہوریت قائم فرمائی تھی یا انگریزی طرز کا پارلیمانی نظام قائم کیا تھا ۔

پانچویں یہ کہ توراۃ، زبور، انجیل اور انبیاء کرام کے دوسرے صحیفوں میں عورت کی حیثیت کیا بیان ہوئی ہے؟ کیا یہی کہ وہ ملکۂ سبا کی طرح حکمرانی کرے؟ ہم بنی اسرائیل کی پوری تاریخ سیدنا حضرت اسحاق تا سیدنا حضرت مسیح سے ثابت کرسکتے ہیں کہ بنی اسرائیل میں عورت کی حکمرانی کا نہ صرف یہ کہ کوئی تصور موجود نہیں ہے بلکہ اس کی کامل نفی موجود ہے۔

لیکن اس جہل کے ساتھ ذرا بد دماغی ملاحظہ ہو اِن مہمل دلائل پر روزناموں اور رسائل بلکہ ملک بھر کے اخبارات میں عورت کی حکمرانی کے جواز کے قائلین ساری دنیا کو یہ چیلنج کرتے ہیں کہ کوئی ثابت کردے کہ اسلام میں عورت کی وزارتِ عظمیٰ، امارت اور صدارت جائز نہیں ہے اِن محررین و مضمون نگاران سے زیادہ فقہ اور شریعت تو حضرت سلیمان علیہ السلام کے ہدہد کو بھی معلوم تھی کہ اس نے جب حضرت سلیمانؑ کو ملکہ سباء سے متعلق رپورٹ پیش کی تو اس نے جہاں اہل سبا کی سورج پرستی کا باندازِ استخفاف ذکر کیا وہیں اسی اندازِ استخفاف میں اس بات کا بھی ذکر کیا کہ ان کے اوپر ایک عورت حکومت جمائے بیٹھی ہے۔

مجوزین حضرات کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ جب سابقہ حکومتوں میں عورت وزیر اور سفیر بن سکتی ہے پارلیمنٹ کی ممبر بن سکتی ہے تو ہم اگر ایک عورت کو وزیر اعظم بنادیں تو لوگوں کو اس پر کیوں اعتراض ہے۔ یہی لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ جب حکومت میں مختلف قسم کے خلاف شرع امور ہو رہے ہیں منکرات کو فروغ دیا جارہا ہے۔ ریڈیو، ٹی وی پر عورت ہی عورت ہے تو آخر عورت کی حکمرانی ہی کو ایک شرعی اور دینی مسئلہ کیوں بنایا جا رہا ہے۔؟

مسلمانوں کی طرف سے بھر بالخصوص اہل دین کی زبان سے اس عذر کا پیش کیا جانا انتہائی ضعف ایمان کی دلیل ہے اہل ایمان کا فریضہ ہر منکر کے خلاف آواز اٹھانا ہے اس سے وہ عنداللہ اس منکر کی ذمہ داریوں سے بری ہوسکتے ہیں اس دلیل کی بنا پر کہ جب بہت سے منکر ہو ہی رہے ہیں تو ایک نئے منکر کے خلاف آواز کیوں اٹھائی جائے ایک ایسی بات ہے جو زندہ ایمان کے ساتھ جمع نہیں ہوسکتی۔ اہل دین اگر ایک منکر کے وجود کو دوسرے اس سے ہزار درجے بڑے منکر کے جواز کی دلیل بنائیں تو اس کے معنیٰ یہ ہیں کہ انہوں نے شیطان کے آگے گھٹنے ٹیک دیئے۔ کوئی شخص اگر نواز شریف سے ناراض ہے تو خدا کی شریعت سے بیزار کیوں ہوجائے۔ غیرتِ ایمان کا تقاضا تو یہ ہے کہ اس منکر پر بھی نکیر کیجئے۔ جو نواز شریف یا کسی بھی حکمران اور سیاستدان کی طرف سے پھیلے اور اس منکر کی بھی بیخ کنی کیجئے جو منکرات کے فتح باب کا شیطانی فلسفہ بھی اپنے ساتھ لیئے ہوئے ہے۔